Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:1 (1975) © rasailojaraid.com

نظریۂ پاکستان ــــ اور
ہماری دستوری تاریخ

محمد نذیر کاکاخیل

پاکستان مسلمانانِ پاک و ہند کی عظیم قربانیوں کا ثمر ہے۔ اس کی بنیاد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر رکھی گئی۔ بالفاظ دیگر دوسرے نو آزاد ممالک کی طرح کسی سیاسی نظریہ پر نہیں بلکہ اسلامی فلسفۂ حیات پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلام وہ نظریہ ہے جو مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں ان کی ہدایت و رہنمائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو نظریہ مخصوص حالات اور محدود علاقوں کے لئے نہ ہو بلکہ عالم گیر اصولوں پر مبنی ہو، وہ جامد نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ متحرک (DYNAMIC) ہوتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کا پورا پورا ساتھ دیتا ہے۔ یہی خیال اسلام کے بارے میں تحریک پاکستان کے زعماء کا تھا اور ہندوؤں کے رویّے کے پیشِ نظر قائداعظم محمد علی جناحؒ اور ان کے رفقاءِ کار نے جب ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا تو مقصود یہی تھا کہ نہ صرف اسلامی اقدار اور ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے بلکہ اسلامی اصولوں پر عمل درآمد کر کے دنیا کو دکھایا جا سکے کہ اسلام محض عبادات یا چند اعتقادات کا نام نہیں بلکہ ایک ضابطۂ حیات ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ گو ثقافتی ورثے کا تحفظ تمام مسلمانانِ ہند کا مطمحِ نظر تھا لیکن علامہ اقبالؒ نے اسے مسلمانوں کے سامنے واضح نصب العین کی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ اپنے ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کے ایک خط بنام قائداعظم محمد علی جناح میں انہوں نے بڑی وضاحت سے لکھا :۔

> "ہمیں اس حقیقت کو ہرگز پسِ پشت نہیں ڈالنا چاہیئے کہ ایشیا میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقتدار کا دارومدار تمام تر ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ پوری قوت اور قطعی

23239

وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں .... صرف معاشی مسئلہ ہی کوئی واحد مسئلہ نہیں جس سے ہم دوچار ہیں۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ثقافتی مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔"

بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اقدار و ثقافت کے بچاؤ کی خاطر اور مخصوص فلسفۂ حیات کے مطابق جمہوری اقدار کو فروغ دینے کے لئے ایک الگ مملکت کا قیام ناگزیر تھا۔ بیسویں صدی کی ایک اسلامی ریاست، جہاں مسلمان جمہوری فضا میں مذہب کی رہنمائی میں آزادی اور سکھ کا سانس لیں گے۔ جہاں مساواتِ محمدی کے اصولوں کے تحت استحصال سے پاک معاشرہ ہو گا جہاں رنگ و نسل اور زبان کی تفریق کے باعث کسی سے امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔ جہاں پھر سے خلافتِ راشدہ کے زمانے کے زرّیں اصولوں کو بروئے کار لایا جائے گا۔ ظاہر ہے متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایسی ریاست کا قیام ناممکن تھا۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند کی آرزوں کا مقصد اور قائداعظم محمد علی جناح کی سیاست کا محور یہ نعرہ رہا:-

"مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کے ارتقاء کے لئے بالکل الگ اور آزاد فضا چاہتے ہیں۔"

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار دادِ لاہور کے بعد یہ تحریک جس تیزی کے ساتھ مقبول ہوئی وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانانِ ہند کے دل کس طرح قیام پاکستان کے لئے دھڑک رہے تھے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ یہ حصول مقصد کا ذریعہ تھا۔ قائداعظم کے ارشاد کے مطابق "خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے بر سرِ عمل آنے کا موقع حاصل ہو۔[۱]" اور یہ کہ "ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔[۲]"

اس پس منظر کی روشنی میں اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری دستور سازی کی تاریخ میں نظریۂ پاکستان (اسلامی اقدار کی ترویج اور جمہوری اصولوں و معاشرتی عدل کی نشو و نما) کو کیا مقام دیا گیا یا دیا جانا قرار پایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر لوگ پچھلے دو دساتیر سے نالاں تھے اور یہ کہ اب ہم کس مقام پر ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد مملکت کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے ایک قابلِ عمل اسلامی آئین کی تیاری کا کام تھا لیکن اسمبلی کے اندر مختلف الخیال گروہوں کی موجودگی کے باعث آئین سازی کا کام اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ بانیٔ پاکستان کی بے وقت موت نے مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ وزیرِ اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کوششیں جاری رکھیں اور آخر کار ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو اسمبلی نے "قرارداد مقاصد" پاس کی جس پر پاکستان کے آئندہ دستور کی عمارت کھڑی کرنی تھی۔ بقول رشید الزمان قرارداد مقاصد دراصل دو مکاتبِ فکر کے درمیان مصالحت کی نشاندہی کرتی تھی۔ علماء اسے روایتی اسلامی ریاست کی طرف ایک قدم سمجھتے تھے جب کہ اسمبلی کے آزاد خیال ممبران کا خیال تھا کہ قرارداد مقاصد میں جو شقیں اسلام سے متعلق ہیں وہ جمہوریت میں قابلِ عمل ہیں اور ان کی موجودگی میں مذہب کسی بھی طریقہ سے سیاست پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ ؎۳

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریکِ پاکستان کے زعماء نے قیامِ پاکستان سے قبل یہ تو بتایا تھا کہ پاکستان کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی اور اسلامی ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے گا لیکن اسلامی ریاست کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس پر خاموشی اختیار کی گئی تھی۔ کیوں؟ بقول جی ڈبلیو چودھری یہ مسئلہ اختلاف و تفریق کا باعث بن سکتا تھا جب کہ حصولِ پاکستان کے لئے اتحاد کی اشد ضرورت تھی۔ ؎۴ لیکن ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ قائدین کے ذہنوں میں بیسویں صدی کی جدید اسلامی ریاست کا خاکہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ اور پاکستان کو جمہوری طرز سے اسلامی ریاست بنانا تھا نہ کہ مذہبی پیشواؤں کی ریاست۔ اس کا ثبوت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے فروری ۱۹۴۸ء کے اس نشریہ سے فراہم کیا جاسکتا ہے جو آپ نے امریکہ کے عوام کے نام دیا تھا۔

> "پاکستان کا دستور آئین ساز اسمبلی کو بنانا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی آخری شکل کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا آئین ہوگا جس میں اسلام کے بنیادی اصول شامل ہوں گے۔" ؎۵

قرارداد مقاصد کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام جاری رکھا لیکن مغرب و مشرق اور مذہب و سیاست کے تعلق کے موضوع نے جہاں سیاست دانوں کو ایک دوسرے سے دُور

کر دیا وہاں علماء اور سیاست دانوں کے درمیان بھی وسیع خلیج حائل کر دی۔ فرقہ واریت اور صوبائی عصبیت کی ابتداء اسی دوران ہوئی۔ خود دستور ساز اسمبلی بھی انہی اختلافات و تعصبات کا شکار ہو گئی۔ اگرچہ دوسری دستور ساز اسمبلی نے سنجیدگی سے ساتھ اپنا کام جاری رکھا لیکن مرکز میں متحدہ محاذ اور مسلم لیگ کی حکومت تھی جن کے بنیادی مسائل مثلاً مذہب و سیاست کے تعلق، مضبوط و کمزور مرکز، مخلوط و جداگانہ انتخابات پر اختلافات تھے چنانچہ دسمبر ۱۹۵۵ء کے اختتام تک کوئی امید نہیں تھی کہ ان اہم اور بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ ہو جائے گا۔" ان اندرونی اختلافات کے نتیجے کے طور پر جو دستور بالآخر پاس کیا گیا وہ بہت کمزور تھا اور اصولوں پر سمجھوتہ کرنے کی بجائے مصلحتوں کی پیداوار تھا۔ [۶]

۱۹۵۶ء کا آئین اگرچہ جمہوری تھا لیکن اس کی روح پر نہ تو عمل درآمد کیا گیا اور نہ ہی اسے عوام کی تائید حاصل ہو سکی کیونکہ دستور ساز اسمبلی کا انتخاب براہِ راست نہیں ہوا تھا۔ جمہوریت کا دعویٰ کرنا اور خود غیر جمہوری طرزِ عمل کی کوکھ سے جنم لینا دو متضاد باتیں ہیں۔ عوام کی رائے معلوم کئے بغیر سیاسی مصلحتوں کی بناء پر مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ایک یونٹ میں ضم کر دیا گیا لیکن اس غیر جمہوری انضمام کے باوجود مقامی یونٹوں (کمشنریوں یا ضلعوں) کو ضروری اختیارات تفویض نہیں کئے گئے۔ علاوہ ازیں مملکت تو وفاقی تھی لیکن وفاقیت کے اصولوں کے برعکس ایک ایوانی مقننہ رکھی گئی۔ ملک میں پارلیمانی نظام کے باوجود سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کے اختیارات کی تفریق نہ ہونے کے باعث سربراہ مملکت انتظامی اور قانون سازی کے معاملات میں برابر مداخلت کرتا رہا۔ یہ بات جمہوری تقاضوں کے بالکل برعکس تھی۔

دستور کی رو سے مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" تھا اور اس میں پاکستان کے مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے، مسلم اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ لیکن دوسرے مسلم ممالک مثلاً ایران اور سعودی عرب کے دساتیر کی طرح اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار نہیں دیا گیا۔ دستور کے تحت ملک کے سربراہ (صدر) کے لئے مسلمان ہونا لازمی تھا لیکن سربراہ حکومت (وزیرِاعظم) کے لئے اس قسم کی کوئی شرط نہیں تھی۔ بالفاظ دیگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سربراہِ حکومت غیر مسلم بھی ہو سکتا تھا۔ البتہ دستور کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کہیں بھی مسلم اور غیر مسلم رعایا میں فرق روا نہیں رکھا گیا تھا۔ اور یہ نظریۂ پاکستان اور قائداعظم کے ان وعدوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عین مطابق تھا جو آپ وقتاً فوقتاً غیر مسلم رعایا سے کرتے رہے تھے۔

دستور میں ایک مسلم معاشرہ کے صحیح خطوط پر ارتقاء کے لئے اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل اور تحقیقی ادارے کے بارے میں بھی مواد موجود تھا۔ یہ بھی شق رکھی گئی تھی کہ کوئی قانون اسلام کے منافی نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ موجودہ قوانین کو اسلامی احکامات کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ ایک سال کے اندر ایک کمیشن قائم کر دیا جائے گا جس کے ذمہ یہی فریضہ ہوگا۔ لیکن ڈھائی سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔

۱۹۵۶ء کا دستور جیسا بھی تھا لیکن اگر صحیح معنوں میں اسے چلنے دیا جاتا اور عوام کے براہ راست منتخب نمائندوں (جن کا انتخاب بہت جلد ہونا تھا) کے ذریعے اس میں ان نکات کے مطابق ترامیم کی جاتیں جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اور اسے مزید جمہوری اور اسلامی بنایا جاتا تو نظریہ پاکستان کو مزید تقویت ملتی۔ فرقہ واریت اور تعصبات کو مزید پنپنے کا موقع نہ ملتا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بننا حقیقت کا اظہار نہیں تھا بلکہ یہ اس مقصد کا ایک اظہار تھا جسے ابھی حاصل کرنا تھا لیکن بدقسمتی سے صوبائی تعصبات اور خود غرضی نے ہمارے کچھ لیڈر حضرات کی آنکھیں اس طرح بند کیں کہ انہیں احساس تک نہیں ہو سکا کہ ان کے اقوال و افعال سراسر نظریہ پاکستان کے منافی ہیں اور یہ کہ اس سے پاکستان مضبوط نہیں بلکہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ایوان میں اقتدار کی خاطر نشستیں بدلنا، صدر کا وزیر اعظم کے فرائضِ منصبی میں بے جا مداخلت، کرسی کی خاطر اصولوں کو قربان کرنا، تعمیری کاموں پر دھیان دینے کی بجائے عوام کے جذبات سے کھیلنا اور ان کو اصل حالات سے بے خبر رکھنا، رائے عامہ کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائیاں کرنا پاکستانی سیاست کا ایک فیشن سا بن گیا تھا۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور عوام تماشائی بن کر سب کچھ دیکھتے اور سہتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے نظریے کے برعکس سیاست پبلک پلیٹ فارم سے منتقل ہو کر محلات میں چلی گئی تھی ۔۔ اور بے چارے عوام محلاتی سازشوں کا شکار ہوتے رہے۔ انہی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک پر مارشل لاء کی لعنت مسلط کر دی گئی۔ ۱۹۵۶ء کا دستور منسوخ کر دیا گیا۔ اس طرح برائے نام جمہوری عمل بھی رک گیا اور قوم ایک بار پھر دستوری بحران کا شکار ہو گئی۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ۷ جون ۱۹۶۲ء تک ملک پر مارشل لاء کے سیاہ بادل چھائے رہے اور

جب وہ بادل چھٹ گئے تو قوم پر ایک انوکھے تجربے کے تحت فردِ واحد کا آئین مسلط کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت عوام کو جو آئینی مراعات دی گئی تھیں وہ بھی واپس لے لی گئیں۔ پارلیمانی نظام کی جگہ صدارتی نظام رائج کر دیا گیا۔ شروع میں آئین کے تحت ملک کے گزشتہ سرکاری نام سے "اسلامی" کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا اور بنیادی حقوق کا بل بھی دستور میں نہیں تھا لیکن بعد میں ایک ترمیم کے ذریعہ اس کی تلافی کر دی گئی۔ الغرض اس آئین کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی گئی تھی کہ پاکستان کے عوام سیاسی سوجھ بوجھ سے عاری ہیں۔ لہٰذا انہیں ملکی سیاست میں براہِ راست شامل نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام سے متعلق شقیں تقریباً وہی تھیں جو ۱۹۵۶ء کے آئین میں تھیں۔ اس سلسلے میں کوئی قدم آگے نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ یہ آئین طاقت کے بل بوتے پر تقریباً سات سال تک نافذ رہا لیکن جب عوام ایک عوامی تحریک کے ذریعے بیدار ہو کر گلی کوچوں میں نکل پڑے اور اس طاقت کا مقابلہ کیا تو دستور کے خالق ہی نے اقتدار فوج کے حوالہ کیا اور ایک دفعہ پھر آئین منسوخ کر دیا گیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو قوم ایک بار پھر بے آئین ہو کر رہ گئی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں اس ملک میں دستوری تعطل اور ناپائیداری رہی جسے حاصل ہی اس مقصد کے لئے کیا گیا تھا کہ بیسویں صدی میں دنیا کو دکھایا جا سکے کہ اسلام ایک جامد مذہب نہیں بلکہ ایک متحرک نظامِ حیات ہے اور اس جدید سائنسی دَور میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ پاکستان کی گزشتہ آئینی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ گزشتہ برسوں میں نظریہ پاکستان کے تحفظ اور استحکام کی زبانی باتیں تو ہوتی رہیں لیکن انھیں عملی جامہ پہنانے کی ٹھوس اور مثبت کوشش نہیں کی گئی۔ نظریہ پاکستان کو صحیح تاریخی پس منظر میں پیش نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ قوم کی بے پناہ اور عظیم قربانیوں کے باوجود ایک خاص طبقہ ملک کی نوجوان نسل کو گمراہ کر گیا۔ اگر نظریہ پاکستان کے مطابق اس ملک کا سیاسی ڈھانچہ بننے دیا جاتا، جمہوری اداروں اور اقدار کو پنپنے کا موقع دیا جاتا، عوام کو اعتماد میں لیا جاتا، نئی نسل کے سامنے نظریہ پاکستان صحیح طریقہ سے پیش کر دیا جاتا، خلوص دل سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحیح خطوط پر ایک صحت مند اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کوششیں کی جاتیں تو قوم ذہنی الجھاؤ کا شکار نہ ہوتی۔ تلخیاں اس قدر نہ بڑھتیں کہ دشمن قوتوں کو ہمارے جسم کا ایک حصہ کاٹنے کی جرأت ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے مارشل لار کے دوران چونکہ ایوانِ اقتدار عوامی طاقت کا زور دیکھ چکا تھا لہٰذا چار و ناچار دسمبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات منعقد ہوئے۔ مشرقی بازو میں چھ نکاتی پروگرام پر عوامی لیگ بھاری اکثریت سے انتخاب جیت گئی جب کہ مغربی بازو میں پیپلز پارٹی اس نعرہ پر انتخابات جیت گئی۔

"اسلام ہمارا مذہب، جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت ہے"

دونوں پارٹیوں کے لائحۂ عمل میں اختلاف اور دستور سازی کے متعلق مختلف نقطۂ نظر کی وجہ سے اور مفاد پرست عناصر کے منفی کردار کی وجہ سے اب قوم کو ایک نئے بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ عوامی لیگ عددی اکثریت کی بنا پر چھ نکاتی پروگرام پر مبنی اپنی مرضی کا دستور نافذ کرنے پر مصر تھی جب کہ مغربی پاکستان کے لوگوں اور ان کی واحد اکثریتی نمائندہ پارٹی (پاکستان پیپلز پارٹی) کو چھ نکاتی پروگرام سے اختلاف تھا۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تک جو کچھ ہوتا رہا، وہ ایک لمبی داستان ہے بنگلہ دیش قائم ہوا۔ یہاں کی حکومت بدلی اور اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپا گیا۔ حالات کی ابتری اور بنگلہ دیش بننے میں کس کو قصوروار ٹھہرایا جائے؟ یہ بھی ایک الگ مسئلہ ہے اس پر اس وقت کچھ کہنا مناسب ہوگا جب عدالتی کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آجائے۔

بہر حال بنگلہ دیش کے قیام کے بعد حالات یکسر بدل گئے۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبران نے جو اب نئے پاکستان سے تعلق رکھتے تھے، دستور سازی کا کام شروع کیا۔ اکثریتی پارٹی اس پوزیشن میں تھی کہ اپنی مرضی کا دستور اسمبلی سے پاس کروائے لیکن چونکہ یہ قومی معاملہ تھا سیاسی نہیں لہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش نہ رکھتے ہوئے حکومتی پارٹی نے حزبِ اختلاف کو بھی اعتماد میں لے لیا۔ نظریہ پاکستان کے تقاضوں اور گزشتہ تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متفقہ فارمولا بنا کر قوم کو نیا آئین نئے پاکستان کے لئے دیا گیا۔ یہ آئین اب ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء سے نافذ العمل ہے۔ آیئے گزشتہ دساتیر سے اس کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ نئے آئین میں ہم کس حد تک آگے بڑھے ہیں۔

۱۹۷۳ء کا آئین عوامی امنگوں اور خواہشات کے مطابق پارلیمانی نظام پر مبنی ہے پچھلے دو آئینوں کے برعکس نئے آئین کے تحت پاکستان کا وفاق دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ پر

مشتمل ہے۔ قومی اسمبلی با اختیار ادارہ ہے جس میں چاروں صوبوں کی نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہے جب کہ سینیٹ میں نمائندگی مساوی نیابت کے اصول کے تحت ہے۔ بنیادی حقوق کے بل میں گزشتہ آئینوں کے مقابلہ میں زیادہ آزادیوں کی ضمانت دی گئی ہے۔ صوبائی خود مختاری کے حدود کی تعیین نظریہ پاکستان کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے۔ دستور میں استحصال کے خاتمے کی ضمانت اس اصول کے تحت دی گئی ہے کہ "ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق کام لیا جائے اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق حق دیا جائے"۔ سیاسی عدم استحکام اور پچھلے تلخ تجربات کے پیش نظر آئین کی حفاظت کی مؤثر ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ مملکت کے سربراہ کی بے جا مداخلت جیسا کہ ۱۹۵۶ء کے آئین نے پیدا کیا تھا، کو رد کرنے کے لئے وزیر اعظم کا چناؤ اور برطرفی قومی اسمبلی کی صوابدید پر رکھا گیا ہے۔ انتظامی اختیارات عوامی نمائندوں یعنی وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو دیئے گئے ہیں جنہیں اسمبلی کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا ہے۔ جمہوری اداروں کے فروغ کے لئے بہتر انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے کی ضمانت بھی فراہم کر دی گئی ہے۔ مختصراً وہ تمام باتیں اس دستور میں موجود ہیں جو جمہوریت اور جمہوری اقدار کی نشو و نما کے لئے لازمی ہیں۔

جہاں تک اسلامی شقوں یا دفعات کا تعلق ہے، پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اقدامات کئے گئے ہیں۔ پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ یہ عوام کے جذبات اور احساسات کی مکمل ترجمانی ہے۔ نہ صرف صدر مملکت بلکہ وزیر اعظم کے لئے بھی مسلمان ہونا شرط ہے۔ مسلمان کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت پر یقین اور ختم نبوت پر عقیدہ رکھے گا۔ ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ ختم نبوت پر عقیدہ نہ رکھنے والوں کو اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک صحت مند اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ نظریہ پاکستان کی روح اور علامہ اقبال اور قائد اعظم کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے دستور میں یہ ضمانت بھی موجود ہے کہ مسلم اتحاد اور عالم اسلامی کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔ اس کا عملی مظاہرہ ہم لاہور کی فروری ۱۹۷۴ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس کی صورت میں دیکھ چکے ہیں اور ہماری خارجہ پالیسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مسلم ممالک کو جو اہمیت دی گئی ہے اس سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

نئے آئین میں یہ بات بصراحت موجود ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن اور سنّت کے اصولوں کے منافی ہو اور یہ کہ تمام موجودہ قوانین کا جائزہ اس غرض سے لیا جائے گا کہ اگر ان میں کوئی ایسی بات ہو جو قرآن یا سنتِ نبوی کے منافی ہو تو اُسے دُور کیا جائے۔ ربا، زنا، جوئے اور شراب نوشی کے تدارک کے انتظامات کئے جائیں گے۔ ان جملہ مقاصد کے حصول کے لئے اسلامی مشاورتی کونسل قائم کر دی گئی ہے۔ جو نہ صرف حکومت کو قانون سازی کے بارے میں مشورے دے گی بلکہ دستور میں درج اسلام سے متعلق شقوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کام کرے گی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اگر حکومت کے علاوہ اسمبلی کے کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ممبران جن کی تعداد اسمبلی کے کل ارکان کی ۲/۵ ہو، قرار داد پاس کریں کہ کوئی قانونی مسودہ جو اسمبلی کے زیرِ غور ہے، اسلامی کونسل کو رائے کے لئے بھیجا جائے، تو ایسا کیا جائے گا۔

ان نکات کے پیشِ نظر جن کا اُوپر مختصراً حوالہ دیا گیا، اگر یہ کہا جائے کہ قوم نظریہ پاکستان کے تقاضوں اور بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناح کی تمناؤں اور خواہشات کے عین مطابق ایک اسلامی اور جمہوری آئین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، تو بجا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ سائنس کے اس دَور میں جب کہ معاشرتی اندار تیزی سے بدل رہی ہیں، ہمارے خیالات اور افکار میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ لیکن نیا آئین جامد نہیں۔ اس میں اتنی لچک رکھی گئی ہے کہ اسے آسانی کے ساتھ حالات سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔

ہم نے ایک مدت طویل ضائع کی، لیکن قوموں کی تشکیل میں یہ عرصہ کچھ بھی نہیں۔ بالآخر ان تلخ تجربات نے ہی تو ہمیں ایک قابلِ عمل اور متفقہ آئین دلایا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نظریہ کو مضبوط کر دیں۔ جمہوری اداروں کے فروغ اور اسلامی اقدار کی ترویج کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں میں ذہنی انقلاب لائیں۔ نئے ذہن کی اس طرح نشوونما کریں کہ وہ اسلام اور پاکستان کو لازم و ملزوم سمجھے۔ انقلاب کے لئے امن کی ضرورت ہے اور امن اس وقت پیدا ہوگا جب ہماری نوجوان نسل صحیح طریقے سے نظریہ پاکستان سے آگاہ ہوگی۔ حال ہی میں حکومت نے جو تعلیمی اقدامات

© rasailojaraid.com

کئے ہیں اور جو اصلاحات نافذ کی ہیں ان کا دائرہ کار مذہبی درس گاہوں تک پھیلایا جائے تاکہ معاشرے میں دو مختلف طبقات نہ رہیں اور ذہنی انتشار سے نجات ملے ۔مغربیت اور مولویت کی کشمکش اب ختم ہونی چاہیئے ۔

اب ہماری تمام تر توجہ ملکی بقاء، سالمیت اور ترقی کی طرف ہونی چاہیئے ۔

حوالہ جات

۱۔ رئیس احمد جعفری : خطباتِ قائد اعظمؒ (لاہور ۔ ۱۹۶۱ء) ص ۶۳۴ ۔

۲۔ 〃 〃 ایضاً 〃 〃 ص ۶۵۴ ۔

۳۔ رشید الزمان ؛ پاکستان ۔ اے سٹڈی آف گورنمنٹ اینڈ پالٹکس (ڈھاکہ ۔ ۱۹۶۷ء) ص ۸۴ ۔

۴۔ جی ۔ ڈبلیو چودھری ؛ پاکستان میں آئینی ارتقاء (انگریزی) لاہور ۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء ۔ ص ۴۴ ۔

۵۔ قائد اعظم محمد علی جناح : تقاریر بحیثیت گورنر جنرل پاکستان (انگریزی) ۸ ۔ ۱۹۴۷ء ۔ ص ۶۷ ۔

۶۔ جی ۔ ڈبلیو چودھری ۔ محولہ بالا ۔ ص ۴۶ ۔

تصحیح

جون کے "فکر و نظر" میں پروفیسر محمد یوسف گورایہ کے مضمون "مزارعت اور ربا" کے صفحہ ۷۳۲ پر ذیلی عنوان "سرمایہ دارانہ ذھنیت کا استیصال" کے تحت تیسری سطر میں کتابت اور پروف کی بظاہر ذرا سی غلطی نے بہت بڑا معنوی سقم پیدا کر دیا ہے ۔ ادارہ "فکر و نظر" اس غلطی کے لئے فاضل مضمون نگار اور قارئین کرام دونوں سے معذرت خواہ ہے ۔

"جب زائد از ضرورت کمائی پر انسان کو تصرف کا حق حاصل ہوگا" ــــ کی جگہ ــــ "جب زائد از ضرورت کمائی پر انسان کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا" ۔ درست ہے ۔

(ادارہ)